ہندو تہذیب اور مسلمان

از جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاد تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

چند متفرق توہمات (۱) بعض گھروں میں کنواری لڑکی کا ہونا مبارک نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور اسی طرح مربہ اور اچار، مدّت العمر دوست واحباب کے گھر سے یا بازار سے لیکر کھاتے تھے گھر میں تیار نہیں کرتے تھے۔[1]

(۲) صفر کے مہینے میں تیرہ دن منحوس تصور کئے جاتے تھے۔[2]

(۳) بالعموم منگل اور سنیچر کے دن منحوس تصور کئے جاتے تھے۔[3]

(۴) سر پر چوٹی رکھنا۔ شاہ مدار یا سالار مسعود غازی یا کسی دوسرے بزرگ کے نام کی چوٹی بچوں کے سر پر رکھی جاتی تھی۔ یہ عمل بطور منت ہوتا تھا۔ جب وہ مدت پوری ہو جاتی تھی تو اس بچے کو لیکر اس بزرگ کے مزار پر جاتے تھے اور وہاں وہ چوٹی ترشوائی جاتی تھی۔[4] شاہ عالم ثانی نے اپنے بیٹے کے سر پر شاہ شرف الدین پانی پتی کے نام کی چوٹی رکھی تھی اور اس بچے کو مزار پر بھیج کر وہ چوٹی ترشوائی تھی۔[5]

---

[1] ہفت تماشا۔ ص ۱۴۲ [2] تقویۃ الایمان ص ۷۷، ۱۷۸ [3] ایضاً ص ۱۷۸
W. CROOK. P. 216
ہندوؤں میں مبارک اور منحوس دنوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ کتاب الہند جلد دوم صفحہ ۳۷ - ۴۰۳، ابواب ۷۷ تا ۷۹ [4] نصیحۃ المسلمین (قلمی) ص ۴۳،
ہفت تماشا۔ ص ۹۸ - ۹۹، ۱۰۶ [5] برائے تفصیلی حالات ملاحظہ ہو۔
بزرگان پانی پت۔ ص ۳۰ مابعد [6] تقویۃ الایمان۔ ص ۵،
EAST INDIA GAZETTEER, I, P. 367.

(۵) بدھی اور بیڑی! اسی طرح کسی بزرگ کے نام کی بدھی[1] بچوں کے گلے میں اور پیروں میں بیڑیاں پہنائی جاتی تھیں[2]۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ایامِ طفلی میں میرے بھائیوں کے پیروں میں بیڑیاں پہنائی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر بلا ناگہانی امراض سے محفوظ رہیں۔ یہ بیڑیاں بڑے پیر کے نام کی تھیں۔

(۶) جن دنوں چیچک کی وبا پھیلتی تھی تو مسلمانوں کے گھروں میں طرح طرح کے ٹونے ٹوٹکے عمل میں آتے تھے۔ مثلاً مالن پھول لے کر گھر میں آتی تھی۔ ان دنوں گوشت نہیں پکتا تھا[3]۔ اس موقع پر بالعموم سیتلا دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ مرزا مظہر جان جاناں اس ضمن میں فرماتے ہیں

"در وقت عروض مرض جدری (چیچک) کہ بزبان ہندی سیتلا معروفت ومشہور محوست، کم زنی باشد کہ از دقائق ایں شرک خالی بود و برسمی از رسوم آں اقدام نماید"[4]

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ ایک صاحب قدرت عورت ہے جس کے اختیار میں بچوں کی موت وحیات ہے۔ اس کا نام ادب سے لیتے تھے بلکہ اسے ماتا (ماں) کہتے تھے۔ اس کی کمی کو روٹھنے سے اور کثرت کو عنایت مادرانہ سے تعبیر کرتے تھے۔ دربانوں اور باغبانوں کے ساتھ بڑی توقیر سے پیش آتے تھے۔ اس خیال سے کہ انھیں چیچک ماتا کے حضور میں تقرب حاصل تھا جب تک چیچک بچے پر "مہربان" ہوئی اس وقت تک گھر

---

[1] مرزا قتیل نے بدھی کی وضاحت یوں کی ہے۔ ڈورے کی طرح ریشم کی بنی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ یہ بازار میں بکتی ہے۔ اسے لوگ خرید کر شاہ مدار کے عرس کے دن بچوں کے گلے میں ڈالتے ہیں۔ ہفت تماشا ص ۸-۱۷

[2] تقویۃ الایمان۔ ص ۵ [3] نصیحۃ المسلمین، ص ۴۳ [4] معمولات مظہری ص ۳۸

میں سالم مسور اور گیہوں کی روٹی کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں پکاتے تھے۔[1]

ان دنوں کی رسموں میں سے ایک بہت ہی دلچسپ رسم کا ذکر ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نواب آصف الدولہ کے لڑکے کے چیچک نکل آئیں۔ ہندوستانی رواج کے مطابق نواب اور اس کی اہلیہ نے اپنے ہاتھوں میں بھیگے ہوئے چنے لیکر گدھوں کو کھلائے اور اس کے اثر سے لڑکے کو چیچک سے نجات حاصل ہوگئی۔[2]

بچوں کے گلے میں ہنسلی، تعویذ یا شیر کے ناخن پہنانا دفع بلیات کے لئے بچوں کے گلے میں تانبے یا چاندی کی ہنسلی ڈالی جاتی تھی۔ اسی غرض سے بعض مرتبہ شیر کے ناخن دھاگے میں باندھکر گلے میں ڈالے جاتے تھے۔ اور طرح طرح کی تعویذیں بھی پہنائی جاتی تھیں۔ ہندوستانی مسلمانوں میں یہاں کے تہذیبی عناصر کا اس حد تک غلبہ تھا کہ ہندوستان کے باہر کی تہذیب یا واقعات کا ذکر کرتے وقت انھیں اس بات کا خیال تک نہیں رہتا تھا کہ اس قسم کی رسموں کا ان ممالک میں ہونا ناممکن ہے۔ حضرت امام قاسم کے ایام طفلی کا ذکر کرتے ہوئے سودا نے اس رسم کا ذکر کیا ہے حالانکہ اُنکے ملک میں نہ اس زمانے میں اور نہ اس زمانے میں اس قسم کی رسم کا وجود تھا۔ یہ خالص ہندوستان کی رسم ہے۔

ہیکل میں ڈالے تھے ترے لاکھوں طرح کے میں تعویذ
بُری گھڑی کچھ کام نہ آدے جو حفاظت کی کچھ چیز
شیر کے ناخن تک ڈالا جینے کو تجھ ہیکل میں
موت کی روبہ سے نہ بچا پر آن کے تو اس جنگل میں[3]

---

[1] ہفت تماشا۔ ص ۸۴۔ ۸۵۔ نیز حیات طیبہ (از مرزا حیرت) ص ۱۵۶، تقویۃ الایمان ص ۳۴، سہاگن نامہ ص ۲۳۔ ۲۴ ۔ نصیحۃ المسلمین ۔ ۲۲۔ ۲۳، ۴۳۔ ۴۴۔

[2] احوال محمد شاہ۔ تا آصف الدولہ (قلمی) ص ۶۔ ۷۔ سیتلا دیوی سے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ ہو۔ BUCK. C. H: FAITHS, FAIRS AND FESTIVALS: PP. 74-75

[3] کلیات سودا۔ جلد دوم ص ۱۶۶

اہلیہ میر حسن علی کا یہ بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ

"بچوں کی ولادت کے دن سے انھیں تعویذ گنڈوں سے مسلح کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر بے باکی سے کوئی اس رسم کا مذاق اُڑاتا ہے تو یہ عقائد باطلہ رکھنے والے اس کو ایک کافر سے بدتر خیال کرتے ہیں" ۵۱

لوگوں کو تعویذ گنڈوں پر بے حد عقیدہ تھا۔ اور ہر طرح کے امراض اور بلائے آسمانی کے دفع کے لئے بھی ان چیزوں کا استعمال کرتے تھے۔ مثلاً تعویذ برائے طفل، تعویذ برائے دفع تپ لرزہ، تعویذ برائے دفع حمرۃ، برائے دفع درد چشم، دفع جدری وغیرہ ۵۲

(۸) اختراعی اسماء کے نام کے روزے البیرونی نے ہندوؤں کے مروجہ روزوں کے اقسام کا تفصیلی ذکر باب ۷۶ میں کیا ہے۔

بقول البیرونی، "ہندوؤں کے نزدیک کل روزے نفل اور مستحب ہیں، کوئی بھی فرض نہیں ہے۔ روزہ نام ہے کسی مدت تک کھانا چھوڑ دینے کا۔ مدت کی مقدار اور فعل کی صورت کے لحاظ سے روزہ مختلف قسم کا ہوتا ہے۔"

---

۵۱ OBSERVATIONS ETC. II. P. 373,

آنند رام مخلص نے ہنسلی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ "بطور حلقہ از طلا سازند و در گلوئے طفل می باشد۔ ہندی زبان آنرا ہنسلی نامند" میرآۃ الاصلاح - ص ۱۶۵ ب

۵۲ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ معمولات مظہری ص ۸۲ - ۸۴ - کاشف الاستار (قلمی) ص ۳۶۹ الف تا ۳۷۱ ب - ہندوؤں کے ہاں جھاڑ پھونک سے متعلق اوہام کے لئے ملاحظہ ہو۔

کتاب الھند - جلد اول - ص ۲۵۷ - ۲۵۹

مثلاً اوسط درجے کا روزہ وہ ہے جس میں روزے کی شرط پوری ہوجاتی ہے۔ کہ ایک دن مقرر کرے جس میں روزہ رکھا جائے گا۔ روزے سے جس کی خوشنودی کا حاصل کرنا مقصود ہے یا جس کے واسطے روزہ رکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ مثلاً اللہ یا کوئی فرشتہ (دیوتا) یا کوئی دوسرا شخص جس کا نام دل میں رکھے۔ پھر روزہ رکھنے والا آگے بڑھے اور روزہ رکھنے کے ایک دن پہلے کھانا دوپہر کے وقت کھائے اور دانتوں کو خلال اور مسواک سے صاف کرکے دوسرے دن روزہ کی نیت کرے۔ اور اس وقت سے کھانا ترک کردے۔ جب روزہ کے دن کی صبح ہو دوبارہ مسواک کرے اور غسل کرکے اس دن کے وائض ادا کرے۔ اور ہاتھ میں پانی لیکر ہر "چہار" طرف پھینکے۔ اور جس کے واسطے روزہ رکھا ہے زبان سے اس کا نام لیتا رہے۔ روزے کے دوسرے دن صبح تک اسی حال میں رہے۔ جب آفتاب طلوع ہوجائے تو انطار کرے۔ [1]

اسی طرح روزے کے دنوں کا تعین کیا جاتا تھا۔ اور ہر ماہ کے نصف روشن کا آٹھواں اور گیارہواں دن عموماً روزہ کا دن ہوتا تھا۔ بالاستثنا رلون کے مہینے کے اس لئے کہ یہ مہینہ منحوس مانا جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی نیک کام نہیں ہوتا۔ [2]

گیارہواں دن باسدیو کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ شہر متھرا کا راجہ ہوا تو اس کے قبل وہاں کے باشندے ہر مہینے ایک دن آندر کے نام کا میلہ لگاتے تھے۔ باسدیو نے ان لوگوں کو ترغیب دی کہ اس میلے کو گیارہویں دن منتقل کردیں تاکہ میلہ اس کے نام پر ہوجائے۔ متھرا والوں نے ایسا ہی کیا۔ [3]

گمان غالب ہے کہ مسلمانوں نے بھی اس میلے سے متاثر ہوکر حضرت غوث الاعظم کی گیارہویں کے جلسے منعقد کرنے کا اہتمام کیا ہوگا۔

---

[1] کتاب الہند (ا۔ ت) ۲/ص ۳۵۷۔۳۶۰ [2] ایضاً ص ۳۶۱ [3] ایضاً ص ۳۶۱۔۳۶۲

اسی طرح مسلمان عورتوں نے بہت سے مصنوعی روزے کسی خاص تاریخی شخصیت کے نام سے اختراع کر لئے تھے۔ اور اسی طرح اِن کو اسلامی رنگ دید یا تھا۔ اِن میں سے ہر ایک کے نام کے روزہ کا دن متعین کر لیا تھا۔ اور اسی مخصوص دن وہ روزہ رکھا جاتا تھا۔ اسی طرح ہر دن کے روزہ کے انطار کے لئے اُنھوں نے مختلف اشیائے نُقل وطعام بھی متور کر لی تھیں اور اُنھیں سے انطار کیا جاتا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ فلاں شخص کے نام کے روزہ رکھنے سے ان کی فلاں مراد بار آور ہو جائے گی۔[۱]

(۹) ارواح خبیثہ پر اعتقاد | ارواح خبیثہ کے اثرات پر عقیدہ رکھنے کا جتنا رواج ہندستان میں پایا جاتا تھا غالباً دنیا کے کسی دوسرے حصّے میں نہیں تھا۔[۲] اہلیہ میر حسن علی کا بیان ہے:

"یہاں علماء اور جہلاء دونوں بعید از قواعد طبی ارواح کے اثر انداز ہونے پر اتنا عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر کسی کو دورہ پڑ جائے تو ناظرین کو اس بات کا کامل یقین ہو جاتا ہے کہ اس مریض پر کسی ناپاک روح کا اثر ہے"[۳] مزید براں وہ لکھتی ہیں کہ:

"اگر اچانک کوئی بیمار پڑ جائے اور ڈاکٹر امراض کی تشخیص میں ناکام رہے تو یہی خیال

---

[۱] معمولات۔ مظہری۔ ص ۳۹، نصیحۃ المسلمین کے مصنف نے لکھا ہے کہ "حاضری حضرت عباس کی، صحنک۔ حضرت فاطمہ علیہ السلام کی، گیارہویں عبد القادر جیلانی کی، ملیدہ شاہ مدار کا۔ سمنی بو علی قلندر کی، توشہ شاہ عبد الحق کا کرنا اس نیت سے کہ یا حضرت تم ہمارا فلاں کام کر دو۔ کھانے کا خاص اہتمام کرنا کہ فاتحہ عباس کا صرف شیرمال اور کباب ہی پر ہو۔ اور فاتحہ شاہ عبد الحق کا بری حلوے ہی پر ہو، اور تاریخ کی تخصیص صرف ہندوستانیوں نے نکالی ہے۔ اور ہندوؤں کی طرح لیپنا۔ اور پوتنا۔ کھانے کے ساتھ پانی کا رکھنا اور بعضے تو حقہ اور افیون بھی رکھ لیتے ہیں۔" ص ۲۳، ۴۴، ۴۵

[۲] ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS. III, P. 441A

[۳] OBSERVATIONS ETC, II, P. 372–73

غالب آجاتا ہے کہ مریض پر کوئی بھوت پریت چڑھ آیا ہے۔ ایسی حالت میں شہر کے پاک اور متقی لوگوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ مصیبت زدہ کی شفا کے لئے دعا کریں اس کے لئے ان بزرگوں سے تعویذ لکھوائے جاتے ہیں۔ ان تعویذوں کے معتقدین کا کہنا ہے کہ یہ تعویذ نہ صرف ان کے پہننے والوں کو بھوت پریت کے حملے سے محفوظ رکھیں گے بلکہ یہ ان کو اس بات کے لئے بھی مجبور کردیں گے کہ وہ فی الفور اس آدمی کو آزاد کردیں"[۵۱]

مختصر یہ کہ عورتوں کے عقیدے کے مطابق یہ بات لوگ شیخ سدّو وغیرہ[۵۲] اور سات عورتیں خدا کی قدرت سے سب عورتوں کے معاملات بنانے اور بگاڑنے کے مختار ہیں۔ یہ جس پر مہربان ہوں وہ ہمیشہ آرام سے بسر کرتا ہے۔ اور اس کے برعکس اگر ان کا عتاب نازل ہو تو مدّت العمر بیمار رہتا ہے بلکہ شب و روز غشی کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ ان کی مہربانی اور ناراضگی کا دار و مدار ان کی نذر ادا کرنے پر ہے۔ اگر مدّت کے بعد یہ کسی عورت کے سر پر آجائیں یعنی اس عورت میں حلول کر جائیں تو عورتیں شام ہی سے صاف ستھرے مکان میں عمدہ فرش بچھا کر جمع ہو جاتی ہیں اور تمام رات گاتی بجاتی رہتی ہیں[۵۳]۔ اکثر و بیشتر شیخ سدّو کی روح عورتوں میں حلول کر جاتی تھی اور اس سے خلاصی کے لئے بیٹھک[۵۴] ہوتی تھی مٹھائیاں تقسیم کی جاتی تھیں۔ اور بکرے کی قربانی کرنا لازمی سمجھا جاتا تھا۔ اور ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اس طرح آسیب زدہ کو نجات مل جائیگی۔ سودا نے اپنے خاص شاعرانہ انداز میں ایک بیٹھک کا یوں ذکر کیا ہے۔

---

[۵۱] OBSERVATIONS ETC., II, P. 372-73.

[۵۲] برائے تفصیلی حالات مفتاح التواریخ ص ۱۵۵ ہفت تماشا ص ۹۹ خزینۃ الاصفیا ۲/۳۱۰

[۵۳] ہفت تماشا ص ۱۷۷

[۵۴] اس موقع پر عورات کو مجلس ہوتی تھی وہ بیٹھک کہلاتی تھی۔ اس میں شرط یہ تھی کہ جس عورت کیلئے بیٹھک منعقد ہو وہ خود کو عمدہ لباس میں اور زیوروں میں آراستہ کرے۔ ہفت تماشا ص ۱۷۷

ضاحک[1] کی اہلیہ نے جب ڈھول گھر دھرایا ؛ بے وجہ ساری رات ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بوڑھے چونڈے کو جب ہلایا تب شیخ سدو اس پر اک کھا کے آیا
بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک یہ سن کے بولا تم نے زباں نکالی بے آج کو کہا ہے کل دوگے مجھکو گالی
بکرے کی شکل یاں تو نے گوری ہے نکالی بی بی کو اور ہم کو گھر کر دیا ہے خالی
بکرا وہ دیگی تمکو جن نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہو کیا کہا جی میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کب چچا جی گالی تو اک طرف ہے یہ سن رکھو بچا جی
آگے ہے ڈھول دھپا میں تمکو کہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھ پاس کب ہیں کوڑے گڑ کے تو گلگلے ہیں اور تیل کے پکوڑے
میٹھا کرو جو منہ کو ڈھیلے کے ہیں گنڈورے تب شیخ سدو بولا سنتا ہے دھی کے . . .
بھینسا ہی لے کے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا

دمڑی میں منہ کو میٹھا تجھکو ہمارے کرنا ؛ دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا
گاسے اپنے پر نہ دیکھا پھُس کا ہمارے بھرنا بکرا نہ لوں نہ بھینسا لوں تجھ سے گر توارنا
تب جانے گا تو بھڑوے پیروں کو میں منایا[2]

ان سات افراد کے نام یہ ہیں۔ شیخ سدو، زین خاں، ننھے خاں، صدر جہاں، چہل تن، شاہ دریا اور شاہ سکندر اور ان سات عورتوں کے نام۔ لال پری، سبز پری، سیاہ پری، زرد پری، آسمان پری، دریا پری، اور نور پری۔[3] ان میں سے ہر ایک باری باری کسی عورت میں حلول کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض نسوانی اطوار رکھنے والے مرد بھی ان چودہ

---

[1] ان کے حالات ملاحظہ ہو۔ تذکرہ شعرائے اردو۔ (میر حسن دہلوی) ص ۱۰۴۔ سودا نے بڑے طمطراق سے میر ضاحک پر کئی ہجویں لکھی ہیں: ملاحظہ ہو۔ کلیات سودا ۱/ ص ۳۲۲-۴۰۰-۳
[2] کلیات سودا ۱/ ص ۴۰۳-۴۰۴ باقی حاشیہ صفحہ ۴۱۸ پر

مرد عورت میں سے کسی نہ کسی کو اپنے میں حلول کر لیتے ہیں۔ ایسے مرد امیرزادوں میں سے ہی ہوتے ہیں وہ اس دن کے لئے رنگین لباس، زیور اور بغچہ رکھتے تھے۔ مردوں میں شاہ دریا اور شاہ سکندر دوسروں سے بلند مرتبہ سمجھے جاتے تھے۔ انھیں نوری شہزادے بھی کہا جاتا تھا۔ اِن کو باہم سگے بھائی بتاتے تھے اور پریاں اِن کی بہنیں تھیں، جو ایک ہی بطن سے تھیں۔ حد یہ تھی کہ یہ عقیدہ عورتوں کے دلوں سے نکالنا ناممکن تھا[۴۸]

(۱۰) تغیر دادن:- یہ رسم تھی کہ جس راستے سے جاتے تھے اس راستے سے دوبارہ واپس نہیں آتے تھے۔

بادشاہوں اور حاکموں کا طبقہ بالخصوص اس توہم کے شکار تھے۔ آنندرام مخلص نے اس قاعدہ کی وضاحت یوں کی ہے۔

"یعنی آنست کہ براہی کہ آمدہ شود بآں راہ... نیامد رفت۔ و براہ دیگر مراجعت باید نمود۔ و ایں حرکت را مبارک می دانند۔ چنانچہ ملوک ہندوستان قاعدہ دارند کہ از ایں دروازہ... کہ جانب متوجہ می شوند بازباں راہ ہنگام مراجعت نمی آیند"[۴۹]

(۱۱) چراغی برائے حاجت:- خواہشمند لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اگر اپنی مراد باراوری کی غرض سے کسی بزرگ کی خدمت میں کچھ نقدی۔۔۔ بطور نذر پیش کی جائے۔ تو ان کی دلی مراد پوری ہو جائے گی۔ اس رسم کو "چراغی برائے حاجت دادن" کہتے تھے[۵۰]

(۱۲) قرون وسطیٰ میں اور اس زمانے میں بھی اگر کوئی شخص کسی اہم کام سے کہیں جا رہا ہو اور کوئی دوسرا شخص چھینک دے تو اس کو بدشگونی کی علامت سمجھتے تھے اور اس کام کو ملتوی کر دیتے تھے[۵۱]

(۱۳) کوچہ چیلاں (دہلی) محلہ کے کئی دروازے تھے اندر کی جانب ایک کنواں تھا جو

---

[۴۸] ہفت تماشا ص ۱۷۷۔ نیز ملاحظہ ہو۔ دریائے لطافت (ا۔ت) ص ۴۷، ۱۶۳، ۱۰۶، ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۴۸، نصیحۃ المسلمین ص ۲۷، ۲۷

[۴۹] ہفت تماشا ص ۱۷۷، نصیحۃ المسلمین ص ۲۳

[۵۰] مراۃ الاصطلاح ص ۲۶۳ ب [۵۱] ایضاً ص ۴۸ ب

[۵۲] کتاب الہند، ص ۲۴۲

پریوں کے کنویں کے نام سے مشہور تھا۔ شب شہادت کو ہزارہا مسلمان عورتیں اپنی مرادیں پوری کرنے کے لئے اس میں دو پڑیاں ڈالا کرتی تھیں۔ ایک پھول کی اور دوسری شیرینی کی اور جب کسی کی مراد پوری ہو جاتی تھی تو وہ حلوہ کا ایک کونڈا لاکر یہاں بہت سی عورتوں کو کھلاتی تھی۔ اس رات کو اس کنویں پر ایک جمِ غفیر ہوتا تھا۔[۵۱]

(۱۴) بچہ کی ولادت سے متعلق بہت سی رسمیں مثلاً چھٹی، چلّہ وغیرہ کا غسل کی بنیاد بھی کسی نہ کسی وہم کی بنا پر تھی۔[۵۲]

(۱۵) تل شکری کی رسم نہ صرف عوام میں بلکہ شاہی خاندان تک میں برتی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ سنکرانت کے موقع پر پٹیل (مادھوراؤ سندھیہ) نے شاہ عالم بادشاہ کی خدمت میں تل شکری پیش کی۔ بادشاہ نے زنان خانے میں جاکر خود بھی کھائی اور بیگمات کو بھی کھلائی۔ اس پر ایک منہ چڑھی بیگم بولیں "قصور معاف۔ ہندوستان میں یہ رسم ہے کہ باندی، غلام یا گھوڑا خریدتے ہیں، تو اسے تل شکری کھلاتے ہیں۔ تاکہ وفادار نکلے۔ حضور نے پٹیل کی تل شکری کھائی ہے، تو وفاداری بھی برتنا ہوگی"[۵۳]

(۱۶) جس طرح ہندوؤں میں کسی خوشی کے موقع پر ست نرائن کی کتھا کی جاتی ہے اسی طرح مسلمانوں نے منت کے طور پر سیدہ کی کہانی ماننا شروع کردی تھی اور بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ ست نرائن کی کتھا اور جناب سیدہ کی کہانی کے بعض اجزاء بالکل یکساں ہیں[۵۴]

(۱۷) دربار مغلیہ میں یہ رسم تھی کہ بادشاہوں کو نذر پیش کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا کہ رقم جفت نہ ہو بلکہ طاق ہو۔ مثلاً ۵۱، ۱۰۱، وغیرہ۔ یہ رسم ہندوستانی مسلمانوں میں اب بھی شادی بیاہ کے موقع پر برتی جاتی ہے، دولہا کو سلامی میں جو رقم دی جاتی

---

۵۱ ہفت قلزم (ساتواں قلزم) دہلی ۱۸۷۹ء) ص ۳۹ ۵۲ سہاگن نامہ ص ۱۹،
۵۳ وقائع عالم شاہی ص ۱۱۲ ۵۴ رجب علی بیگ، حیات اور کارنامے (از نیر مسعود رضوی) لکھنؤ ۱۹۶۷ء) ص ۳۶-۳۷۔

مزاروں پر چھڑیاں چڑھانا قدیم الایام سے ہندوؤں میں یہ رسم بدستور چلی آرہی ہے کہ وہ لوگ اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کے مندروں پر سالانہ میلہ منعقد کرتے ہیں اور بالعموم زائرین اپنے ہاتھوں میں جھنڈیاں لے کر شرکت کے لئے دُور دراز مسافت طے کرکے آتے ہیں۔ مسلمانوں نے بھی اس رسم کو دوسری شکل میں اپنا لیا۔ اور انہوں نے مندروں کے بجائے اپنے بزرگوں کے مزاروں پر جھنڈے لے کر جانا شروع کر دیا۔ قرون وسطیٰ میں ان جھنڈوں کو چھڑی یا نیزہ کہتے تھے۔ ہندو مسلمان دونوں ان بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور ساتھ چھڑیاں لے کر عرس اور میلہ میں شرکت کے لئے جاتے تھے۔ رائے چترمن کایستھ اور دیگر مصنفین نے ان چھڑیوں یا نیزوں جلوسوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو دہلی سے مختلف جوانب کے لئے روانہ ہوتے تھے۔

چھڑی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری خواجہ معین الدین چشتی (متوفی ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ عیسوی) کا مزار اجمیر میں ہے۔ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان دونوں ان کی ذات بابرکات سے بے حد عقیدت رکھتے ہیں۔ اور ایام عرس میں دُور دُور سے مسافرت طے کرکے لاکھوں کی تعداد میں خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے وہاں جاتے ہیں۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں سترھویں جمادی الثانی [1] کو حوض شمسی [2] کے قریب واقع خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ پر (یہ درگاہ مہرولی میں واقع ہے) اور دوسرے مقامات پر بے شمار زائرین اور تماشہ بین جمع ہوتے تھے۔ نیزے کھڑے کرتے تھے۔ اور اجمیر کے لئے روانہ ہوتے تھے [3]

---

[1] ہفت قلزم (از منشی گوری شنکر) دہلی ۱۸۷۹ء۔ میں ۱۴ جمادی الثانی لکھا ہے ص ۲۵۔ یہ غالباً غلطی سے لکھ دیا گیا ہے۔ عرس سترہویں جمادی الثانی کو ہوتا ہے۔ [2] قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے نواح میں سلطان شمس الدین التمش کا تعمیر کردہ حوض جو اس نے قریب ۶۲۷ھ/۱۲۲۹ء میں بنوایا تھا۔ یہ حوض سنگ سرخ کا بنا ہوا تھا۔ مگر اب سب ٹوٹ گیا ہے اور نرا تالاب ہی رہ گیا ہے۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو آثار الصنادید (مطبوعہ ۱۹۶۵ء) ص ۱۷۵۔ [3] خلاصۃ التواریخ و چہار گلشن محمد شاہی (قلمی) ص ۳۶ الف۔

چھڑی ظاہر پیر یا گوگا پیر | ان کا مزار میوات کے علاقے میں ...... کسی پہاڑی پر واقع ہے۔ عرفی مہینے کے سلونوں کے دن بولی بھٹیاری نامی مقام پر نیزے کھڑے کر کے میوات کی جانب گوگا پہاڑی کے لئے روانہ ہوتے تھے ۵۲

چھڑی غازی میاں یا بالے میاں | عرفی مہینے کی ستہرویں کو غازی میاں کی چھڑیاں کھڑی کی جاتی تھیں۔ اور زائرین بہرائچ کے لئے کوچ کرتے تھے ۵۳ ان ایام میں ان کی درگاہ پر بڑا مجمع ہوتا تھا۔ اور تین دن تک اُن کے آستانے پر لوگ عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ گردونواح کے عوام اور خواص اپنی مرادوں کی بار آوری کی غرض سے ان کے مزار پر چادریں چڑھاتے تھے۔ اور اپنے اس فعل کو عقبیٰ کے لئے سرمایۂ سعادت اور دنیوی ترقیوں کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ ۵۴ ماقبل غدر یہ چھڑیاں قلعہ معلّی (دہلی) کے نیچے کھڑی کی جاتی تھیں۔ مگر مابعد جامع مسجد کے قریب کھڑی کی جانے لگی تھیں اور اسی مقام سے بہرائچ لے جاتے تھے۔ ۵۵ دہلی میں غازی بھڑبونجہ نامی ایک شخص تھا جو ہر سال غازی میاں کی چھڑیوں کا جلسہ منعقد کیا کرتا تھا اور اس میں صدہا روپے صرف ہوتے تھے۔ اس جلسہ کی کیفیت یہ تھی کہ تین دن تک وہ چھڑیاں برابر کھڑی رہتی تھیں اور اپنی دوکان میں جامع مسجد کی ایک نقل رکھ کر اس کے آگے ایک باغ معنوی اور اس میں

---

۵۱ اجمیری دروازے سے دو میل آگے یہ مشہور مقام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ محل بولا خاں پٹھان نے ایک پہاڑی پر بنوایا تھا۔ اور بعض لوگوں کا بیان ہے بو علی بختیار نامی کسی ... بزرگ نے تعمیر کروایا تھا۔ غرض کہ اصل نام کو بگاڑ کر بھوری یا بولی یا بھولی بھٹیاری کا محل کر دیا ہے۔ برائے تفصیل دیکھئے۔ واقعات دار الحکومت دہلی ۲/ ۵۶۱ - ۵۶۲ ۵۲ - تاریخ چہار گلشن محمد شاہی ص ۳۶ الف،

۵۳ کہا جاتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے نواسے تھے۔ بہرائچ میں ہندو سرداروں سے لڑتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے سمیت ۱۰۳۳ھ میں شہید ہوئے۔ اور اسی مقام پر دفن کر دیئے گئے۔ برائے حالات ملاحظہ ہو: خلاصۃ التواریخ ص ۳۴، ہفت تماشا ص ۱۰۴-۱۰۶، خزینۃ الاصفیا ۲/ ۲۱۷، تاریخ سید سالار مسعود غازی المعروف غزنامہ مسعود، قاموس المشاہیر ۲/ ص ۲۱۴ ۵۴ تاریخ چہار گلشن محمد شاہی ص ۳۶ الف، خلاصۃ التواریخ ص ۳۴۔ ۵۵ ہفت تماشا ص ۱۰۶،

۵۶ ہفت قلزم ص ۲۵

فوارہ اور ہزارہ لگاتا تھا اور بہت روشنی کرتا تھا۔ نوبت بجتی تھی۔ جھاڑ فانوس اور قمقمے روشن ہوتے تھے۔ اور طرح طرح کی آتش بازی چھوٹتی تھی۔ ہزاروں آدمیوں کا اژدھام ہوتا تھا۔ عورت مرد جمع ہوتے تھے۔ اور ایک دلچسپ منظر ہوتا تھا[ؔلہ]

چھڑی سرور سلطان یا سلطان سخی سرور[ؔ۵۲] ہندی مہینہ ماگھ کے پہلے سوموار کو سلطان سخی سرور کی چھڑیاں روانہ ہوتی تھیں۔ غالباً شیخ نظام الدین اولیا کی باولی کے سامنے یہ چھڑیاں کھڑی ہوتی تھیں اور زائرین لکھی جنگل کے لئے روانہ ہوتے تھے[ؔ۵۳]۔ غدر کے بعد لاہوری دروازے کے باہر کھڑی کی جاتی تھیں۔ اور پھر وہاں سے ملتان کو جاتے تھے۔ یہ بھی ایک اچھا خاصہ میلہ ہوتا تھا اور بہت سے لوگ شریک ہوتے تھے[ؔ۵۴]۔ مرزا قتیل نے لکھا ہے کہ جس طرح نچلے طبقے کے مسلمان نزدیک اور دُور سے جھنڈے لیکر شاہ مدار کے مزار پر ہر سال جمع ہوتے تھے۔ اسی طرح ہر سال ہر شہر کے باہر سرور کے نیزے بھی اُٹھائے جاتے تھے۔ اور براہی (یعنی سرور کے معتقد براہی کہلاتے تھے) ہر جھنڈے کے نیچے ڈھول بجاتے تھے۔ اور اپنے پیر کی مدح و ستائش میں گیت گاتے تھے، وہ خود بھی ناچتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی نچاتے تھے[ؔ۵۵]۔

لہ ہفت قلزم ص ۳۴ ـــــــ ۵۲ نام سید احمد اور سلطان سخی سرور یا لکھ داتا کے نام سے مشہور رہیں۔ مضافاتِ ملتان میں ایک موضع کرسی کوٹ میں ولادت ۔۔۔۔۔ ہوئی اور لاہور میں مولوی محمد اسحٰق لاہوری سے علوم ظاہری کی تکمیل کی اور تصوف میں اپنے والد کے علاوہ غوث اعظم اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے بھی فیوض حاصل کیے۔ بعدازاں وزیرآباد کے نزدیک موضع سودھرہ میں سکونت اختیار کی اور ہدایت خلق میں مشغول ہوئے۔ مابعد مقام دھونکل میں کئی برس رہے اور پھر اپنے وطن ڈیرہ غازی خاں کے قریب شاہکوٹ چلے گئے۔ آپ کی شہادت ۱۱۸۱ھ میں ہوئی۔ مزار شاہ کوٹ کے قریب ہے۔ آپ کے زیر اثر سیکڑوں ہندو مسلمان ہوئے۔ برائے تفصیل دیکھیے۔ آبِ کوثر (مطبوعہ ۱۹۶۸ء) ص ۸۲-۵۰ خزینۃ الاصفیا ۲ / ص ۲۴۵-۲۴۸ W. Crooke: PP. 132-33

۵۳ تاریخ چہار گلشن محمد شاہی ص ۳۹ الف ۵۴ ہفت قلزم ص ۲۵ ۵۵ ہفت تماشا ص ۱۰۳-۱۰۴

چھڑی شاہ مدار[۱] المعروف بہ شاہ مدار | جمادی الاول میں بارہ پلہ[۲] کے قریب چھڑیاں برپا کرتے تھے۔ اور اسی ماہ کی پندرھویں کو مکن پور[۳] لے جاتے تھے۔ اور ان دنوں اسی مقام پر ایک بھاری میلہ لگتا تھا۔ یہ میلہ اب بھی لگتا ہے لاکھوں زائرین اور تجار دُور و نزدیک سے وہاں جمع ہوتے تھے۔ تین دن تک یہ میلہ رہتا تھا۔ مداری فقیر جن کا بعد میں ذکر کیا جائے گا۔ بڑے طمطراق سے نقارہ، نرسنگھا اور توری بجاتے ہوئے معہ اپنے مریدین کے الگ الگ گروہوں میں وہاں پہونچتے تھے۔ ہر ایک گروہ کا اپنا ایک پیشوا ہوتا تھا۔ دُور سے آنے والے قافلے راستے میں پڑاؤ کرتے ہوئے سفر طے کرتے تھے[۴] میر حسن دہلوی نے اپنا لکھنؤ کا سفر شاہ مدار کے ایک قافلے کے ہمراہ کیا تھا۔ لہٰذا اُنھوں نے چشم دید منظر بڑے دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔

مکن پور کو چھڑی چلتی تھی واں سے — اُٹھے ہم ساتھ اس کے اس مکاں سے

یہ مشفق میر ۔۔ سیف اللہ جو ہیں — اور ان کے بھائی نور اللہ جو ہیں،

یہ دونوں اس سفر کے آشنا ہیں — اگرچہ ان دنوں مجھ سے جدا ہیں

مدار اس قافلہ کا تھا چھڑی پر — چلے ہم وہاں سے چھڑیاں ساتھ لیکر

زبس میوات[۵] کا اکثر تھا عالم — عجائب مہوشاں تھیں اس میں باہم

---

۱ برائے حالات - ملاحظہ ہو - مراۃ مداری - از عبد الرحمن چشتی، اذکار ابرار ا - ت - گلزار ابرار، ص ۴۷-۴۸،
ہفت تماشا ص ۹۹ - ۱۰۱، خلاصۃ التواریخ ص ۴۰ - ۴۱، مفتاح التواریخ ص ۱۱۵، خزینۃ الاصفیا
W. Crooke. pp. 137 - 141

۲/ص ۳۱۰ -

۳ دہلی کا یہ دہ پل ہے جو نظام الدین بستی اور بھوگل یا شاہی ہوسپٹل کے مابین ہے مگر بعد میں دہلی قلعہ کے نیچے کھڑی کی جاتی تھیں - اور ما بعد جامع مسجد کے نیچے جہاں شہر کا نخاس تھا اور چونکہ غدر میں وہاں کے تمام مکانات مسمار کر دیئے گئے تھے اور وہ علاقہ میدان نما ہو گیا تھا۔ لہٰذا اُس میدان میں نیزے کھڑے کئے جاتے تھے۔ پھر مکن پور کے لئے روانہ ہوتے تھے۔ ہفت قلزم ص ۲۵ ۳ اتر پردیش میں قنوج کے قریب یہ مقام واقع ہے ۴ تاریخ چہار گلشن محمد شاہی ص ۳۶ ب۔

۵ میوات - صوبہ ہریانہ میں ایک علاقہ ہے جو میوات کہلاتا ہے اور وہاں کے مسلمان اپنے کو میواتی یا میو کہتے ہیں

کوئی پردے سے تھی چہرہ دکھاتی — کوئی آواز کچھ گا کر سناتی،
کوئی چلتی اُترا اٹکھیلیوں سے — کوئی بیٹھی ہی جی لیتی دلوں سے
جہاں ملتا کہیں پانی کا منبع، — وہاں ہوتا پریزادوں کا مجمع
کنویں پر یوں نظر آتا ہر اک ماہ — کہ جوں یوسف کھڑا ہو بر سرِ چاہ
کوئی لیتا مٹھائی اور کوئی پان — کوئی جاتا کسی کے پاس انجان
کوئی آنچل سے اپنا منہ چھپاتی — کوئی پردا اُٹھاتی اور گراتی
کوئی شربت کوئی ساتو بناتا — کسی کو کوئی حقہ ہی پلاتا
کوئی بیٹھا کہیں کوئی پڑا تھا — کسی کا منتظر کوئی کھڑا تھا
پریزادوں میں تھے باہم اشارات — ہر اک چوکی تھی وہاں تختِ طلسمات
پہنچتے آکے جب منزل سرِ شام — اُتر پڑتا ہر اک وہاں بہرِ آرام

ملنگ فقیروں کے حرکات و سکنات اور حاجتمندوں کی حالت

ڈمالی واں کھڑی کرتے تھے چھڑیاں — وہ چھڑیاں کیا بھلی لگتی تھیں کھڑیاں
زیادہ حاجتی مائل تھے سب سے — رسوم اس کی بجا لاتے ادب سے
دیا باتی[1] سرِ شب روز کرتے — دیئے چھڑیوں کے آگے لاکے دھرتے
ملنگوں[2] کو جو دیکھا تو عجب حال — کھڑے ہلتے ہیں اور کھیلیں ہیں دھمال[3]
زبانے ڈفلیاں بجتی ہیں پیہم — الم دم[4] کا لگاتے ہیں کھڑے دم
چڑھاتا ریوڑی کوئی کوئی پھول — ملیدا ہی کوئی لاتا بہ معمول،
کوئی مجرا[5] کوئی کرتا دعائیں.. ! — کھڑا اچٹ پٹ کوئی لیتا بلائیں،

---

۱ چراغ بتی۔ ۲ ایک قسم کے آزاد فقیر جو ڈفلی بجا کر اور گا کر مانگتے ہیں ۳ ملنگ، فقیروں کا ایک خاص وضع سے ہل چل کرنا، اچھلنا کودنا اور شور و غل کرنا۔
۴ چنڈو یا سلفے یا حقے کا ایک لمبا کش لگانا۔ ۵ سلام کرنا

دیئے تھے وہ کہ دعوت کے چراغاں | ہوئی تھی جمع واں جنس پرستاں
مثال بید مجنوں ہر چھڑی تھی، | کہ اس کے گرد ہر لیلا کھڑی تھی،
وہ نیزے تھے کہ یا قد بتاں تھے، | کہ سجدے میں جن آگے انس و جاں تھے،

وہ چھڑیاں تھیں کہ تھیں مژگان دلدار | دیا تھے پیر[1] کے نیزے نمودار
سیہ نیزوں کا ہے از بسکہ دستور | چراغوں میں وہ تھے شب نور
سیاہی یوں بھلی لگتی تھی سب کو | کہ گویا زلف تھی بکھری وہ شب کی[2]

زیارت مزارات بزرگان دین ہندوستان کا کوئی ہی ایسا بدقسمت شہر یا قصبہ یا گاؤں ہوگا جس میں کسی نہ کسی صوفی بزرگ کا مزار نہ ہو۔ ان بزرگوں کو بالعموم مخدوم صاحب کہا جاتا ہے اور اس ولایت کا والی سمجھا جاتا ہے اور بعض لوگ تو اس قصبے کی آبادی کو ان کے قدموں کی برکت کے باعث سمجھتے ہیں۔ اور ان کی کرامتوں اور معجزوں کے دفتر محفلوں اور مجلسوں میں بیان کئے جاتے ہیں۔[3]

مزارات پر زائرین کا طرز عمل ہندوؤں کے اثر کا نتیجہ تھا جس طرح وہ لوگ دیوی دیوتاؤں سے اپنی حاجتوں کی بارآوری کی استدعا کرتے ہیں۔ مندروں میں جاکر نذر و نیاز دیکر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اس طرح مسلمان زائرین بھی مزاروں پر جاکر نذر چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔ فاتحہ اور نذر کے کھانے مخصوص قسم کے ہوتے ہیں اور کچھ مخصوص لوگوں کو ہی یہ کھانا کھلایا جاتا ہے۔ سید اسمٰعیل شہید لکھتے ہیں "دریں اس طعام کے ارب کا حاصل ہندوؤں کے ساتھ مشابہت پیدا کر لینے کے بغیر اور کچھ نہیں ہے۔ کیوں کہ اکثر اوقات وہ دانوں اور غلوں اور طعام کے اجناس کی پرستش کرتے ہیں اور کھانے والوں

---

[1] کسی پیر کے جھنڈے کے بارے تفصیل ملاحظہ ہو۔ مجموعہ مثنویات میر حسن دہلوی (گلزار ارم) ص ۱۳۷-۱۳۸، اس میلے کے بارے میں دیکھئے۔ اقتباس وقائع بدائع (اورنٹل کالج میگزین۔ نومبر ۱۹۴۱ء) ص ۱۱۲، خلاصۃ التواریخ ص ۱۴، ہنگامہ عشق ص ۲ الف، دبستان مذاہب ص ۲۱۴-۲۱۵ میراۃ الاصطلاح ص ۸۴ ب، نصیحتہ المسلمین ص ۱۵۰، ۲۴، مفتاح التواریخ ص ۱۱۵

[2] ہفت تماشا ص ۱۲۸

کے لئے قید لگائی یعنی ایک کو کھانے سے منع کرتے اور دوسرے کو اس کی اجازت دیتے[۱]
نذر و نیاز کی رسم اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کھانے اور دوسرے اشیائے خور سے گذر کر جانوروں کی نیاز چڑھانے لگے تھے[۲]

عورتوں میں بالخصوص اور مردوں میں بالعموم گور پرستی کا عام رواج تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے فتوحات فیروز شاہی گور پرستی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے بحکم شاہی عورتوں کا مزاروں پر جانا بند کروایا تھا۔ مگر سلطان بذات خود بزرگوں کے مزاروں پر حاضری دیتا تھا اور ان سے استمداد کی درخواست کرتا تھا[۳]
عوام میں گور پرستی کی وبا اس بری طرح سے پھیل چکی تھی کہ انھیں بزرگ اور غیر بزرگ کی تمیز تک نہیں رہی تھی مثلاً سلطان علاء الدین خلجی ایک جاہل مطلق سلطان تھا جمعہ کی نماز نہ پڑھتا تھا۔ پھر بھی لوگ اس کی وفات کے بعد اسے ولی اللہ سمجھنے لگے اور اس کی قبر پر منتوں کے ڈورے باندھنے لگے۔ بقول برنی۔

"برکرامت او حمل می کردند و سخنان او را کہ در برآمد مہمات ملکی و در فتح و نصرت لشکر از زبان او بیرون آمدے بر کشف و کرامت او تصور می کردند"[۴] (یہ باتیں) اس کی کرامت پر محمول کی گئیں اور مہمات ملکی اور لشکر کی کامیابی کے سلسلے میں جو بات اس کی زبان سے نکلی تھی اس کے کشف و کرامت کا نتیجہ سمجھتے تھے)

اس ضمن میں حمید قلندر کا بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کی موجودگی میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک شخص نے کہا کہ لوگ اس کی قبر پر زیارت کو جاتے ہیں اور اپنی مراد کی ریسماں باندھتے ہیں اور ان کی حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ بندہ کو اس موقع پر ایک قصہ یاد آیا۔ وہ بیان کیا۔ انہی دنوں میں بندہ سلطان علاالدین خلجی کے

[۱] صراط مستقیم (مطبوعہ دیوبند) ص ۶۵ [۲] ، ص ۶۵
[۳] عفیف تاریخ فیروز شاہی (ا۔ فا) ص ۵۴-۵۵-۲۳۱ [۴] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۲۴

مزار کی زیارت کے لئے گیا تھا۔ نماز کے بعد زیارت کی اور وہاں پہونچا جہاں لوگ کلاوہ باندھتے ہیں اگرچہ میری کوئی حاجت نہ تھی۔ لیکن میں نے اپنے دستار چہ میں سے ایک ڈورا کھینچا اور وہاں باندھ دیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص پکارتا ہے کہ وہ کون ہے جو سلطان علاء الدین کی قبر پر کلاوہ باندھ گیا ہے۔ اس کے چند بار پکارنے پر میں آگے بڑھا اور کہا میں نے باندھا ہے۔ کہا: تیری کیا حاجت ہے۔ بیان کر۔ میں نے کہا میری کوئی حاجت نہیں ہے۔ کیا بیان کروں" [1]

حالانکہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے گور پرستی کے تدارک کی پوری کوششیں کیں مگر وہ اس کام میں ناکام رہا۔ دور مغلیہ میں گور پرستی کے عقیدے کو بے حد تقویت ملی۔ کیوں کہ شاہان مغلیہ بزرگانِ دین سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ شیخ سلیم چشتی [2] کی دعا کی برکت سے اکبر بادشاہ کے حرم میں لڑکا تو ضرور پیدا ہو گیا [3] مگر عوام پر اس کا اثر بہت زیادہ ہوا۔ اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ ان بزرگوں کی برکت سے اولاد بھی ہو سکتی ہے۔ اور وفات کے بعد بھی اِن کی کرامات اپنا اثر رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں اکبر بادشاہ جوشِ عقیدت میں برہنہ پا اور پیادہ خواجہ معین الدین چشتی [4] کے مزار کی زیارت کے لئے آگرہ سے اجمیر جایا کرتا تھا [5]۔ عوام اور امراء نے بھی اس کی تقلید میں یہ عمل شروع کر دیا تھا۔ جہانگیر بھی بزرگوں کے مزار پر حاضری دیتا تھا۔ شاہ جہاں اپنی دینداری اور دین پروری اور مذہبی جوش میں اکبر اور جہانگیر سے کہیں زیادہ سخت تھا۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جب لگاتار کئی لڑکیاں اس کے حرم میں پیدا ہوئیں اور لڑکے کی ولادت کی اُمید نہ رہی تو اولادِ نرینہ کی خواہش نے اسے اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ کسی بزرگ کے مزار پر جا کر اپنی دلی مراد کی تکمیل کی درخواست کرے

(باقی)

---

[1] خیر المجالس (ا ت) ص ۲۴۱-۲۴۲ [2] خزینۃ الاصفیا ا/ ص ۴۳۲-۴۳۶، بدایونی (ا ت) ص ۵۶۸ [3] بدایونی (ا ت) ص ۳۹۲ [4] [5] ایضاً ص ۳۸-۴۲۵